اقبال اور مشاہیر ترکیہ

ڈاکٹر خالد مبین

Dr. Khalid Mubeen

Asst. Professor/Vice Principal,

Govt. Khawaja Rafeeq Shaheed College, Walton Road, Lahore.

Abstract:

The reason of Iqbal's love for the Turks was his characteristic of love for freedom and the struggle for it, which he expressed in his verse as well as prose in abundance. Along with this, he has mentioned in his poetry and prose many Turkish personalities like Soleman Azam, Sultan Muhammad, the Conquerer, Sultan Murad, Sultan Abdul Hameed, Sultan Abdul Majeed, Zia Gokalp and Akif Ersoy. Further to it, he considered Jalal ud Din Rumi as his mentor and spiritual leader. Here is given a detailed analysis of chief celebrities of Turkish scholars.

اقبال کی شعری تخلیقات، اُن کے خطوط، اُن کے مقالے اور ان کی تقاریر میں جہاں بھی ترکوں یا سلطنت عثمانیہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں بحیثیت مسلمان، سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے لیے ان کے دل میں موجود ہمدردانہ جذبات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں کئی معروف ترک شخصیات مثلاً سلیمانِ اعظم، سلطان محمد فاتح، سلطان مراد، سلطان عبدالمجید، سلطان عبدالعزیز، سلطان عبدالحمید کے علاوہ ترک دانشور سید حلیم پاشا، ضیاء گوگ آلپ اور کمال اتاترک کی ترکی قوم کے لیے کی گئی خدمات کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ مولانا جلال الدین رومی کے فکر و فن کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔

i۔ علامہ اقبال اور مولانا رومی

علامہ کو مولانا روم کی ''مثنوی معنوی'' سے حد درجہ عقیدت تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اس مثنوی کے مطالعہ سے گرمیٔ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے۔ شوق خود مرشد ہے۔ علامہ کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھوں نے کتابوں کا مطالعہ ترک کیا اور اگر وہ کبھی کبھار پڑھتے تو صرف قرآن

مجید یا مولانا کی مثنوی۔ فارسی کے عظیم صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی ۶۰۴ھ میں بلخ (ایران) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد بن حسین ملقب بہ بہاؤالدین حسب روایت علاؤالدین خوارزم شاہ کے داماد تھے۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے صاحبزادے جلال الدین کے ساتھ بغداد کے راستے حج بیت اللہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد کی تصنیف کی ہوئی مثنوی کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ سفر فتنۂ منگول کے ظہور کے وقت اختیار کیا گیا تھا۔

مولانا بہاؤالدین نے بلخ سے ہجرت کی تو جلال الدین رومی زندگی کی چودہ بہاریں دیکھ چکے تھے۔ مولانا بہاؤالدین نے نیشاپور میں شیخ فریدالدین عطار کی زیارت کی، انھوں نے جلال الدین کو اپنے سینے سے لگایا، دعا دی اور انھیں مثنوی ''اسرار نامہ'' تحفتاً عطا کی (۱)۔ پھر آپ بغداد گئے اور حج و زیارت کرنے کے بعد ترکیہ کے شہر ملاطیہ پہنچے اور اس شہر میں چار سال سکونت اختیار کیے رکھی۔ اس کے بعد سلطان علاؤالدین کیقباد (۶۱۷۔۶۳۴ھ) کی دعوت پر اس کے پایۂ تخت قونیہ پہنچے (۲) اور وہاں سلطان عالم بہاءالدین جو علوم ظاہری و باطنی میں بلند مقام رکھتے تھے درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔ علاؤالدین کیقباد آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ شیخ بہاءالدین نے جمعہ کے روز ۱۸/ربیع الثانی ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کو وفات پائی۔ (۳)

مولانا جلال الدین نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ ان کی وفات کے ایک سال بعد سید برہان الدین محقق ترمذی جو بہاؤالدین ولد کے شاگرد تھے اور اولیاء اہل طریقت میں شمار کیے جاتے ہیں، قونیہ آئے۔ جلال الدین نے ان سے نو سال تک اکتساب فیض کیا۔ اس کے بعد سیاحت اور اصحاب طریقت سے مستفیض ہونے کے لیے شام کا سفر اختیار کیا۔ عرصے تک حلب اور دمشق میں علمی منزلیں طے کرنے کے بعد قونیہ لوٹے۔ یہاں آپ سلطان کے حکم پر اپنے والد کی طرح علوم شرعی کی تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ وہ اپنے مبارک کام میں مشغول تھے کہ شمس الدین بن علی بن ملک داد تبریزی سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ اس ملاقات نے مولانا جلال الدین کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ شمس تبریزی ایک جلالی و جمالی صوفی تھے۔ مولانا جلال الدین رومی نے اپنے مرشد سے کسب فیض کر کے صوفیاء میں بلند مقام حاصل کیا۔ تصوف کے علاوہ آپ نے نثر اور نظم میں بھی کمال حاصل کر لیا۔ ''مثنوی معنوی'' جلال الدین کے افکار کا گراں بہا ثمرہ اور ان کے اشعار کا بہترین مجموعہ ہے بلکہ یہ فارسی زبان میں تصوف کا مکمل دیوان ہے۔ اس میں چھ دفتر ہیں اور اشعار کی تعداد چھبیس ہزار ہے۔ جو بحر رمل میں کہے گئے ہیں۔ (۴) مثنوی کے علاوہ مولانا رومی کی اہم تصانیف میں غزلیات کا مجموعہ شامل ہے جو ''دیوان شمس تبریز'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ (۵) مثنوی اور دیوان کے علاوہ مولانا کی ایک کتاب نثر میں ''فیہ مافیہ'' کے نام سے بھی موجود ہے۔ یہ مولانا کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ مولانا نے

۶۷۲ھ میں قونیہ میں ہی وفات پائی اور اپنے والد کے اس مقبرے میں دفن ہوئے جو بادشاہ وقت کے حکم سے تیار کیا گیا تھا۔(۶)

مولانا رومی ایک ایسی ہستی ہے جو اقبال اور ترکیہ کے باہمی رشتہ محبت و اشتراک کی ضامن ہے۔ مولانا رومی اقبال کے رہنما اور مرشد ہیں جن کا ذکر کلام اقبال میں جا بجا ملتا ہے۔ یہ ذکر محض ذاتی ارادت کے طور پر نہیں بلکہ فکری راہنمائی کے اعتراف کے طور پر ہے۔ اس لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے فکر اقبال کے ماخذ کے طور پر رومی کو سنگ بنیاد کی حیثیت دی ہے(۷)۔ اقبال برملا اور بار بار رومی کے فیضان کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا معنوی مرید قرار دیتے ہیں۔ مولانا رومی کو انھوں نے پیر حق، مرشد معنوی اور پیر رومی جیسے القابات سے یاد کیا ہے:

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد(۸)

علامہ اقبال کو رومی کی مثنوی بڑی پسند تھی۔ مولانا رومی خود اپنی مثنوی رومی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہست قرآں در زبان پہلوی

مولانا رومی کی بابت علامہ نے لکھا ہے:

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب(۹)

کلام اقبال میں اس مثنوی کے اثرات نمایاں ہیں۔(۱۰) علامہ اور مولانا رومی کے بارے میں فقیر سید وحیدالدین لکھتے ہیں:

> ''.....اگلی صبح عموماً! دیر سے پہنچا۔ کوئی گیارہ بجے کا وقت ہوگا۔ اقبال کو دیکھا تو ان کی عجیب کیفیت تھی۔ رنگ زرد اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ تفکر اور اضطراب کا یہ عالم تھا کہ جیسے کوئی سانحہ گزر گیا ہو۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے؟ کہنے لگے فقیر! میرے قریب آ کر بیٹھو تو کہوں۔ آج صبح میں یہیں بیٹھا تھا کہ علی بخش نے آ کے اطلاع دی کہ کوئی درویش صورت آدمی ملنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا بلا لو۔ ایک درویش صورت آدمی میرے سامنے خاموش آ کھڑا ہوا۔ کچھ وقفہ کے بعد میں نے کہا فرمایئے: آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے۔ اجنبی بولا ''ہاں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے میں تمہارے سوال کا جواب دینے آیا ہوں'' اور پھر مثنوی کا یہ مشہور شعر پڑھا:
>
> گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند

تو ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

''کچھ پوچھو نہیں کہ مجھ پر کیا گزر گئی۔ چند لمحوں کے لیے مجھ سے قطعی
اپنے گرد و پیش کا احساس جاتا رہا۔ ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو
بزرگ سے مخاطب ہونے کے لیے دوبارہ نظر اٹھائی لیکن وہاں کوئی
بھی نہ تھا۔ علی بخش کو ہر طرف دوڑایا لیکن کہیں سراغ نہیں ملا۔''(۱۱)

اقبال کی مثنوی ''اسرارِ خودی'' اور دیگر مثنویاں ماسوائے ''گلشن راز جدید'' مثنوی مولانا روم کے وزن و اسلوب میں کہی گئی ہیں۔ اقبال اچھے خاصے رومی شناس تھے۔ وہ عام کتب کا مطالعہ ترک کرنے کے باوجود مثنوی رومی کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اپنے ایک خط مورخہ ۱۹/مارچ ۱۹۳۵ء بنام حکیم محمد حسین عرشی امرتسری میں لکھتے ہیں کہ ''وہ ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکے ہیں۔ اگر کبھی پڑھتے بھی ہیں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی۔''(۱۲)

اقبال کے افکار میں خودی اور خود شناسی کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک ممکنات ذات سے آگہی اور ان کے ارتقاء اور ظہور کی راہ میں مزاحم قوتوں پر کامیابی، فرد اور قوم کی منزل ہے۔ اس لیے وہ کائنات اور زندگی کو حرکی اور ارتقاء پذیر سمجھتے تھے۔ وہ تسخیر فطرت و کائنات کو تخلیق آدم کا مقصد گردانتے ہیں، اس کی تسخیر کا وسیلہ عشق کو قرار دیتے ہیں جو درحقیقت دانش نورانی ہے اور یہی حوالہ انھیں دائمی طور پر مولانا جلال الدین رومی کی فکر اور جذب سے وابستہ رکھتا ہے۔ اقبال ان ہی کے تصورِ عشق، وجدان اور بصیرت سے اثر قبول کرتے ہیں:

ہم خوگرِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار
اِک بحرِ پُرآشوب و پراسرار ہے رومیؔ!
تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبالؔ!
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومیؔ
اِس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغِ رہِ احرار ہے رومیؔ(۱۳)

اقبال مزید لکھتے ہیں:

علاج، آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں!(۱۴)

چنانچہ فلسفہ خودی ہو یا فلسفہ خیر و شر، نظریہ ارتقاء ہو یا فلسفہ تقدیر، ہر پہلو سے اقبال پر رومی کی قد آور شخصیت کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اقبال اپنے روحانی مرشد کے مزار پر حاضری کے لیے ترکیہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھوں نے محمد عاکف ارصوئی کو ایک خط میں اس بات کا عندیہ سنایا تھا اور

لکھا تھا کہ ''ترک قوم اور جدید ترکیہ سے انھیں بڑی محبت ہے اور وہ ایک دن ترکیہ، خاص طور پر مولانا رومی کے مزار اقدس (قونیہ) پر حاضری دینا چاہتے ہیں۔''(۱۵) مگر بوجوہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ تاہم ترکیہ سے ہندوستان آنے والے ہر وفد سے اقبال ملاقات کی کوشش ضرور کرتے۔ مثلاً جب خالدہ ادیب خانم دہلی آئیں تو اپنی علالت کے باوجود اقبال وہاں تشریف لے گئے اور اسی شام انھوں نے خالدہ خانم کے ایک خطبے کے پروگرام کی صدارت بھی فرمائی۔(۱۶) اسی طرح جب رؤف پاشا دہلی آئے تو ان کے جلسے کی صدارت کے لیے اقبال نے پھر دہلی کا سفر دوبارہ کیا۔ اس جلسے میں ڈاکٹر انصاری کو مبارک باد دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان (انصاری) کی کوششوں سے عالم اسلام کے ایک فرزند جلیل نے ارض ہند کو اپنے ورود سے سرفراز فرما کر باہم تبادلہ خیالات کا موقع فراہم کیا۔(۱۷)

اس بے پناہ لگاؤ کی وجہ سے ہی علامہ نے ہر مجموعہ کلام میں مولانا رومی کا ذکر عقیدت اور محبت سے کیا ہے۔ ''بالِ جبریل'' میں ''پیر و مرید'' کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے اس میں علامہ صاحب نے دور حاضر کے مسلمانوں کو حقائق سے آگاہ کیا۔ اس میں مسلمانوں کے تمام مسائل پیش کر کے مولانا روم سے ان کا حل دریافت کیا ہے:

مرید ہندی:

آہ مکتب کا جواں گرم خوں
ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں

پیر رومی:

مرغ پر نارُستہ چوں پرّاں شود
طعمۂ ہر رنگ گربۂ درّاں شود

مرید ہندی:

اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ و بُو
سرد کیونکر ہو گیا اس کا لہُو؟

پیر رومی:

تادلِ صاحب دِلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد!

مرید ہندی:

ہند میں اب نور باقی ہے نہ سوز!
اہلِ دل اس دیس میں ہیں تیرہ روز!

پیر رومی:

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دو ناں حیلہ و بے شرمی است(۱۸)

اس نظم کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں
علمِ حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!(۱۹)

اور مولانا رومی اس شعر کا جواب یوں دیتے ہیں:

علم رابر تن زنی مارے بود
علم رابر دل زنی یارے بود(۲۰)

علامہ اقبال نے قرآن مجید کو اپنا راہنما، پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنا محبوب اور رومی کو اپنا مرشد بنا یا۔ چنانچہ رومی کے پیغام کی اہمیت کو ''ضرب کلیم'' میں پیش کیا ہے۔ علامہ نے ''رومی'' عنوان کے تحت اس نظم میں مثنوی رومی کی اہمیت اور ان کے تصورِ عشق پر زور دیا ہے۔ یہاں انھوں نے اپنا فلسفہ خودی ظاہر کیا ہے اور قرآن مجید پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنے دلوں میں عشق رسول ﷺ کا جذبہ بھی پیدا کرنے کی ہدایت دی ہے۔ مذکورہ نظم کچھ یوں ہے:

غلط نگر ہے تیری چشم نیم باز اب تک!
تیرا وجود ہے تیرے واسطے راز اب تک!
تیرا نیاز نہیں آشنائے راز اب تک!
کہ ہے قیام سے خالی تیری نماز اب تک!
گسستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک!
کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز اب تک!(۲۱)

علامہ کی تمام تصانیف میں رومی کے حوالے سے زیادہ عقیدت اور احترام ''جاوید نامہ'' میں ملتا ہے۔ یہاں رومی کا ذکر زیادہ موثر پیرایہ میں ملتا ہے:

> ''جاوید نامہ بعضوں کے نزدیک اقبال کی بہترین تصنیف ہے۔ تمام تر رومی کے رنگ و بو سے آراستہ ہے۔ اس میں شاعر، رومی کی معیت میں عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ ارواح سے ہم کلام ہوتا ہے گویا رومی ہی کی اعانت سے کائنات کے مضمون کو سمجھتا ہے۔''(۲۲)

علامہ نے ''جاوید نامہ'' میں اپنی تمام تر سیر مرشد رومی کے ساتھ کی ہے۔ یہاں صرف بارگاہ ایزدی میں علامہ تنہا حاضر ہوتے ہیں۔ باقی اول تا آخر رومی کی معیت میں سارا سفر طے کرتے ہیں۔

علامہ نے اپنی تمثیلی نظم میں مختلف کرداروں کے ذریعے مختلف مسائل کا حل تلاش کیا ہے۔اس کے علاوہ مختلف حالات وواقعات کا بھی یہاں ذکر ملتا ہے۔اس لازوال تصنیف میں علامہ نے شاعری میں فلسفہ کو ایک ساتھ پیش کر کے اپنی اعلیٰ فنکارانہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔اس کتاب میں علامہ نے ایسے حقائق اور معارف بیان کیے ہیں جن کا تعلق عالم بالا یا جہان دیگر سے ہے۔(۲۳)

آنچہ گفتم از جہاں دیگر است
ایں کتاب از آسماں دیگر است(۲۴)

''جاوید نامہ'' کے آخری حصہ پر علامہ نے ''خطاب بہ جاوید'' میں رومی سے اپنی شاگردی کا حق ادا کر دیا ہے انھوں نے جاوید کے پردہ میں مسلمان نوجوانوں کو اتباعِ مرشدِ رومی کا مشورہ دیا ہے۔اسی نظم میں علامہ نے پیر رومی کی مثنوی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہا کہ پیر رومی کی مثنوی کا مقصد لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

گر نیابی صحبت مرد خبیر — از اب وجد آنچہ من دارم بگیر
پیر رومی را رفیق راہ ساز — تا خدا بخشند تر سوز و گداز
زانکہ رومی مغز راداند ز پوست — پائے او محکم قندر کوئے دوست
شرح او کردند او را کس ندید — معنی او چوں غزال از مار مید
رقص تن از حرف او آموختند — چشم را از رقص جاں بردوختند
رقص تن در گردش آرد خاک را — رقص جان برہم زند افلاک را(۲۵)

علامہ اور رومی کا ذکر کرتے ہوئے سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''مطالعہ رومی مثنوی کے سلسلے میں اقبال کا نصب العین ہے اور یہی رقص جاں ہے جس سے علم وحکمت تک رسائی ہوگی، اقبال کے نزدیک قرآن مجید کے بعد جو کتاب اس عظیم مقصد کو پورا کر سکتی ہے وہ مثنوی رومی ہے۔''(۲۶)

''جاوید نامہ'' کے علاوہ علامہ نے ''پیام مشرق'' میں بھی مولانا رومی کی مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے رومی کے عشق کو بوعلی کے فلسفہ پر ترجیح دی ہے۔

بوعلی اندر غبار ناقہ گم — دست رومی پردہ محمل گرفت
ایں فرو تر رفت تا گوہر رسید — آن بگردا بے خوش منزل گرفت
حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز ازل دل گرفت(۲۷)

علامہ نے ''بال جبریل'' میں رومی کا ذکر یوں کیا ہے:

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ، ایک کلیم سر بکف(۲۸)

عجم کے لالہ زاروں سے پھر کوئی رومی اٹھا ہو یا نہ اٹھا ہو لیکن تیرہ خاکدان ہند سے ضرور ایک رومی نمودار ہوا جس نے چھ سو سال بعد پیر رومی کے مرید ہندی کے بطور بعینہ ویسا ہی کردار ادا کیا اور اسلام کو پھر یونانی اور اجنبی عناصر سے نجات دلا کر اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا:

نہ اٹھا پھر کوئی رومیؔ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقیؔ(۲۹)

علامہ ''بال جبریل'' میں ہی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازیؔ(۳۰)

علامہ ''بالِ جبریل'' میں لکھتے ہیں:

عطارؔ ہو رومیؔ ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی(۳۱)

علامہ کی ''اسرار خودی'' میں مولانا کا ذکر یوں ملتا ہے:

باز بر خوانم ز فیضِ پیر روم دفتر سربستہ اسرارِ علوم
پیر رومی خاک را اکسیر کرد از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد(۳۲)

علامہ ''مثنوی مسافر'' میں لکھتے ہیں:

ز آتشِ مردانِ حق می سوز مت
نکتۂ از پیرِ روم آموزمت
رزق ازحق جو ، مجواز زیدو عمر
مستی ازحق ' جو ' مجواز بنگ و خمر(۳۳)

(میں تجھے مردان حق کی کی آگ سے گرماتا ہوں' میں تجھے پیر روم کا ایک نکتہ بیان کرتا ہوں کہ رزق خدا سے مانگ ایرے غیرے نہ مانگ' مستی و جذب خدا سے مانگ' بھنگ اور شراب سے مت مانگ۔)

علامہ ''پس چہ باید کرد'' میں لکھتے ہیں:

پیرِ رومی مرشد روشن ضمیر
کاروانِ عشق ومستی را امیر

از نئے آں نے نوازِ پاک زاد
باز شورے در نہادِ من فتاد(۳۴)

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں رومی کا ذکر بڑے خلوص اور عقیدت سے ملتا ہے:

چوں رومی در حرمِ دادم اذاں من ازوآموختم اسرارِ جالِ من
بہ دَورِ فتنۂ عصرِ کہن ' او بہ دَورِ فتنۂ عصرِ رواں' من(۳۵)
بکامِ خود گر آں کہنہ مَے ریز کہ باجامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رومی بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز(۳۶)
ز رومی گیر اسرارِ فقیری کہ آں فقر است محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ ازوَے رسیدی بر مقامِ سربریزی(۳۷)

مقامِ ذکرِ کمالاتِ رومی و عطار
مقامِ فکرِ مقالاتِ بوعلی سینا(۳۸)

ترک ارباب علم و ہنر نے اقبال کی مولانا رومی سے ارادت اور عشق کے جذبے کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا رومی کے مزار کے پہلو بہ پہلو علامہ اقبال اور فارسی شاعر نفعی کے علامتی لوح مزار نصب کر کے ثابت کیا ہے کہ مولانا رومی کے مریدان کس مقام کے اہل ہیں۔

ii. علامہ اقبال اور محمد عاکف ارصوئی

محمد عاکف ارصوئی ترکی کے معروف شاعر، ادیب، دانشور، رکن پارلیمان اور اور ترکیہ کے قومی ترانہ ''استقلال مارشی'' کے خالق تھے۔ اپنے وقت کے بہترین دانشوروں میں شمار کیے جانے والے ارصوئی ترکی زبان پر اپنے عبور اور حب الوطنی اور ترک جنگ آزادی میں شمولیت کے باعث بھی شہرت رکھتے تھے۔ ان کا تخلیق کردہ قومی ترانہ ترکی کے ہر نجی و تعلیمی ادارے کی دیوار پر، ترکی کے قومی پرچم، بابائے قوم مصطفیٰ کمال اتاترک کی تصویر اور نوجوانوں سے کی گئی ایک تقریر کے متن کے ساتھ آویزاں کیا جاتا ہے۔ ان کے نام سے ایک جامعہ بھی قائم ہے۔

محمد عاکف ارصوئی ۱۸۷۳ء میں سلطنت عثمانیہ کے شہر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ انتہائی مذہبی گھرانہ تھا اور آپ کے والد طاہر آفندی ایک مدرسے میں مدرس تھے۔ انھوں نے آپ کا نام محمد رغیف رکھا تھا۔ یہ عربی نام چونکہ ترکی میں زیادہ معروف نہ تھا اس لیے وہ محمد عاکف کہلائے لیکن والد تمام عمر ان کو محمد رغیف ہی پکارتے رہے۔ والد کی وفات اور آگ لگنے سے گھر کی تباہی کے باعث آپ کو تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور ملازمت کرنا پڑی۔ لیکن وہ اپنے پیشہ ورانہ دور کا آغاز جلد از جلد کرنا چاہتے تھے لہذا انھوں نے مُلکیہ بیطار مکتبی (علاجِ مویشیاں کی درسگاہ) میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۳ء میں اعزازی سند کے ساتھ فارغ ہوئے۔ اسی سال محمد عاکف نے سرکاری ملازمت

حاصل کی اور اناطولیہ میں مختلف مقامات پر متعدی امراض پر تحقیق کی۔ اپنے مذہبی پس منظر کے باعث وہ مسلمانوں کے زوال پر بہت پریشان رہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس عرصے کے دوران مختلف مساجد میں خطبے بھی دیے اور منبر کے ذریعے عوام میں شعور اجاگر کرنے کی کوششیں بھی کیں۔

ہم عصر ادیبوں رضا زادہ محمود اکرام، عبدالحق حامد اور جناب شہاب الدین کے ہمراہ انھوں نے ''مدافع ملی حیاتی' کے جریدے ''سبیل الرشاد'' میں کام کیا۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دیے دیا۔ ان کی شاعری اور مضامین ''صراط مستقیم'' نامی جریدے میں بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔

سلطنت عثمانیہ کے اختتامی دور میں محمد عاکف ایک محبِ وطن ادیب کی حیثیت سے ابھرے۔ انھوں نے ترکی کی آزادی کی جدوجہد میں اپنا بھرپور حصہ لیا اور اناطولیہ (مشرقی ترکیہ) بھر کی مساجد میں خطبوں کے ذریعے عوام میں جذبہ حب الوطنی اجاگر کیا۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ء کو ترکی کے شہر کستمونو کی نصر اللہ مسجد میں دیئے گئے مشہور خطبے میں انھوں نے معاہدہ سیورے کی مذمت کی اور عوام سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ایمان و اسلحے کے ذریعے مغربی نوآبادیاتی قوتوں کا مقابلہ کریں۔ جب یہ تقریر ''سبیل الرشاد'' میں شائع ہوئی تو ملک بھر میں پھیل گئی اور بعد ازاں اسے پمفلٹ کے ذریعے ترک فوجیوں میں بھی تقسیم کیا گیا۔

ترک جنگ آزادی کے دوران آپ کی لکھی گئی ایک نظم ''استقلال مارشی'' نے بہت شہرت حاصل کی اور بعد از قیام جمہوریہ پر اسے ترکیہ کا قومی ترانہ قرار دیا گیا۔ قومی ترانے کے خالق کی حیثیت سے انھیں ترکیہ میں لافانی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ''استقلال مارشی'' کو ۱۲ مارچ ۱۹۲۱ء کو مجلس کبیر ملی کے اجلاس کے دوران قومی ترانے کی حیثیت دی گئی۔ یہ ترانہ اور محمد عاکف کی تصویر ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک رائج ۱۰۰ ترک لیرا کے بینک نوٹ پر بھی موجود رہی۔ ترانہ سرکاری و عسکری تقاریب، قومی نمائشوں، کھیلوں کے مواقع اور اسکولوں میں پڑھا جاتا ہے۔

ترکیہ میں قیام جمہوریت اور اتاترک کی سیکولر پالیسیوں کے باعث ۱۹۲۵ء میں وہ دل شکستہ ہو کر ترکی چھوڑ گئے اور مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ جہاں ان کا قیام گیارہ سال رہا۔ لبنان کے ایک دورے میں انھیں ملیریا نے جکڑ لیا اور ۱۹۳۶ء میں اپنی وفات سے محض ۶ ماہ قبل استنبول واپس آئے۔ ان کی صحت بہت بگڑ چکی تھی، اس لیے وہ جانبر نہ ہو سکے اور بالآخر ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء کو انتقال کر گئے۔ انھیں استنبول کے ادرنہ قاپی قبرستانِ شہداء میں سپرد خاک کیا گیا۔ شدید سردی اور برف باری کے باوجود لاکھوں افراد نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ وہ جمہوریہ ترکیہ کی تاریخ کی پہلی شخصیت تھے جن کی آخری رسومات کے موقع پر قومی ترانہ بجایا گیا۔

محمد عاکف روایتی مشرقی علوم میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ بچپن میں انھوں نے والد سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعد ازاں انھوں نے سرکاری ملازمت کے ایام میں دوستوں

کے مشورے پر فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔ان کا سب سے مشہور ادبی کام ''صفحات'' (Safhat) ہے جو ان کی ۴۴ نظموں پر مشتمل مجموعہ کلام ہے۔ان کے مجموعہ کلام میں لافانی حیثیت ''استقلال مارشی'' کو حاصل ہے گو کہ یہ ترانہ ان کی زندگی میں ''صفحات'' کا حصہ نہیں بنایا گیا تھا کیونکہ بقول محمد عاکف ''یہ ترانہ قوم کی ملکیت ہے،اس لیے میں اسے اپنے مجموعہ کلام میں شامل نہیں کروں گا'' تاہم ان کے انتقال کے بعد چھپنے والے مجموعوں میں استقلال مارشی کو بھی شامل کر دیا گیا۔ترکوں کی اکثریت انھیں قومی شاعر تسلیم کرتی ہے۔ان کی کتاب ''صفحات'' بھی حال ہی میں قبولیت عام حاصل کر پائی ہے ورنہ پہلے اسے بھی بڑے پیمانے پر شائع وفروخت نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ یہ برسر اقتدار لادینی عناصر کے نظریات سے متصادم تھی۔ان کے اہم ادبی شہ پاروں میں شامل ہیں:

☆ سلیمانیہ کورسوسوندہ (سلیمانیہ کے منبر پر،۱۹۱۲ء)
☆ حقن سیس لری (صدائے حق،۱۹۱۳ء)
☆ فاتح کورسوندہ (فاتح کے منبر پر،۱۹۱۴ء)
☆ خاطرہ لر (یادداشتیں،۱۹۱۷ء)، عاصم (۱۹۲۴ء)
☆ کولگہ لر (سائے ۱۹۳۳ء)
☆ کستمونو نصر اللہ کورسوسوندہ (کستمونو نصر اللہ کے منبر پر،۱۹۲۱ء)
☆ قرآن دان آیت وحدیث لر (آیات واحادیث از قرآن،۱۹۴۴ء)

''خاطرہ لر'' میں ان کی اہم نظم ''صحرائے نجد سے مدینہ تک'' شامل ہے۔اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''اسلامی ادبیات میں اس نظم سے شاید ہی کوئی اور نظم مذہب اور رسول مقبول ﷺ سے عقیدت پیدا کرنے والی ہوگی'' (۳۹)

ترکیہ میں قوم پرستی کی بڑھتی ہوئی لہر کے باعث عاکف کی آواز پر بہت زیادہ کان نہیں دھرا گیا اور رہی سہی کسر ترکیہ میں رسم الخط کی تبدیلی نے پوری کر دی تھی لیکن ۱۹۴۴ء میں جب ان کے داماد عمر رضا طغرل نے ''صفحات'' کو لاطینی رسم الخط کی جدید ترکیہ میں شائع کیا تو عاکف مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔کلام عاکف سے چند اقتباسات دیکھیے:

> ''اگر کسی دن مذہب (اسلام) کا منبع خشک ہو جائے تو نہ احساس باقی رہے گا اور نہ ہی زندگی باقی رہے گی۔جماعت کی بقا کا انحصار دین کی بقا پر ہے''
>
> ''یا تو ہم قرآن کو کھولتے ہیں اور اس کے اوراق پر نظر ڈالتے ہیں یا اُسے پڑھ کر مردوں کو بخش دیتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔خوب سمجھ لو کہ قرآن نہ قبرستان میں تلاوت کرنے کی غرض سے اور نہ ہی فال

بنی کے کے لیے اتارا گیا ہے۔''

''صرف دین اسلام، دین شجاعت اور دین عزت ہے۔ حقیقی اسلام بہادری کی سب سے بڑی داستان ہے۔''

''قومی اخلاق کو بچوں کا کھیل نہ سمجھو کیونکہ یہی قوم کی روح ہے۔ اخلاق کا افلاس بڑی بھیانک موت ہے اور یہ موت دراصل کلی ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کی جو خدمت کی عاکف نے اپنی مشہور نظم ''ایک رات'' میں اس کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

''وہ کمزور جس کے تمام حقوق پامال ہونے کے لیے ہی تھے زندہ ہو گیا۔ رستم جس کے زوال کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا، اپنی موت آپ مر گیا۔ ہاں آپ ﷺ کی شرح مبین اہل عالم کے لیے ایک رحمت تھی جس نے ہر دادخواہ کے گھر اپنے بازوؤں سے سایہ کیا۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب آپ کی بدولت ہے۔ تمام جہاں ان کے مرہون منت ہیں۔ تمام دنیائے انسانیت اس معصوم کی مقروض ہے۔ الٰہی! قیامت کے دن مجھے اسی اقرار کے ساتھ اٹھائیو''۔

اپنی ایک نظم ''اذانیں'' میں اذان کے بارے میں عاکف کہتے ہیں:

''یہ اللہ کی آواز ہے جو آسمانوں کو معمور کر دیتی ہے۔ کیا اس آواز کے لیے یہ کوئی بڑی بات ہے کہ یہ ساری دنیا کو ہلا دے۔''

سلطنت عثمانیہ سے علیحدگی کے خواہشمند البانوی اور عرب قوم پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے کہا ''علیحدگی کا خیال تمہارے دلوں میں کیسے پیدا ہوا؟ کیا نظریہ قومیت کو شیطان نے تمہارے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ ان تمام اقوام کو ایک ملت کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرنے والے اسلام کو جڑ اور بنیاد سے تباہ و برباد کرنے والا زلزلہ قومیت ہے۔ اس حقیقت کو ایک لحظہ بھی بھول جانے کا نتیجہ ابدی محرومی ہے۔ عربی اور البانی تعصب کے ساتھ یہ ملت آگے نہیں بڑھ سکتی۔''

ایک اور نظم میں کہتے ہیں:

''ارے تجھے معلوم نہیں کہ تیری قومیت اسلام ہے۔ یہ قومیت کیا ہے؟ تو اپنی ملت سے کٹ کر استحکام اور مضبوطی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے؟ کیا عرب کو ترک پر اور ایرانی کو چینی پر کوئی ترجیح

دی گئی ہے؟ کیا اتحاد اسلامی میں جداگانہ عناصر کا جواز موجود ہے؟
ہرگز نہیں۔ پیغمبر اسلام قومیت پر لعنت بھیجتے تھے۔'' (۴۰)

ترکیہ اور پاکستان میں ایک دوسرے کے ممالک کے جن دو شعراء کا زیادہ ذکر کیا جاتا ہے اور جن کا حوالہ بھی دونوں ممالک میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد میں دیا جاتا ہے وہ جلال الدین رومی (مولانائے روم) اور علامہ محمد اقبال ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ اقبال نے مولانائے روم کو پیر رومی قرار دیا ہے اور خود کو مرید ہندی تاہم کلام اقبال اور کلام عاکف کا مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ترکی اور اردو شاعری میں جن دو اسلامی شاعروں کے کلام میں حد درجہ مشابہت پائی جاتی ہے وہ عاکف اور اقبال ہیں:

''اگر فکری ہم آہنگی اور نظریاتی مماثلت کو دیکھا جائے تو اقبال اور عاکف کے کلام میں اتنی زیادہ ہے کہ اسلامی دنیا کا کوئی شاعر اقبال سے اتنی فکری قربت نہیں رکھتا۔'' (۴۱)

عاکف، اقبال ہی کی طرح عظیم محبّ وطن تھے لیکن وہ بھی مغربی قومیت کے سیاسی نظریہ کے خلاف تھے اور اتحاد اسلامی کے علمبردار تھے۔ اقبال وطنیت کو مذہب کا کفن سمجھتے تھے اور عاکف وطنیت کو شیطانی تصور کرتے تھے۔ جس کا ہلکا سا اظہار سطورِ بالا میں قومیت کے حوالے سے ان کے خیالات سے ہوتا ہے۔ اسلامی دنیا کی زبوں حالی کا جو نقشہ اقبال نے کھینچا تھا بالکل اسی طرح عاکف نے بھی عالم اسلام کے مصائب اور اس کی زبوں حالی کی منظر کشی کی ہے۔ علاوہ ازیں ملائیت، پردہ، جدید ادب اور استبداد وغیرہ پر بھی دونوں شعراء یکساں سوچ کے مالک ہیں۔ (۴۲)

آنحضورؐ سے محبت کلام اقبال کی نمایاں خصوصیت ہے۔ عاکف کے کلام میں بھی یہی خصوصیت نمایاں ہے۔ ان کی کتاب ''خاطرہ لر'' کی نظم ''صحرائے نجد سے مدینہ تک'' نبی مہربانؐ سے ان کی محبت کی عکاس ہے۔

عاکف نے علامہ اقبال کے فارسی کلام کا مطالعہ کیا اور عربی کے معروف مترجم و شارح عبد الوہاب عزام کو کلام اقبال سے متعارف کرایا۔ عبدالوہاب عزام کہتے ہیں:

''اقبال کے بارے میں میری معلومات میں اس وقت تک اضافہ نہیں ہوا جب تک کہ میری ملاقات میرے شاعر دوست محمد عاکف مرحوم سے نہ ہوئی۔ وہ میرے دوست، رفیق اور مونس تھے اور ہماری رہائش گاہ حلوان کے علاوہ جامعہ قاہرہ میں بھی وہ میرے ساتھی تھے۔ ایک روز انھوں نے مجھے اقبال کا ایک دیوان، پیام مشرق دکھایا۔ میں نے اس سے قبل اقبال کا کوئی شعر نہ پڑھا تھا اور نہ سنا

تھا۔محمد عاکف نے بتایا کہ ایک دوست نے جو ان دنوں غالباً افغانستان کے سفیر تھے، نے مجھے یہ کتاب بھیجی ہے۔ہم دونوں نے اس دیوان کو پڑھنا شروع کیا۔اس کے اشعار اور افکار ہمیں بہت ہی پسند آئے ۔ ہم اس گلشن میں گھومتے رہے تھے جو روح اور نگاہوں کو بار بار اپنی چمک اور پھولوں کی طرف متوجہ کرتا تھا اور جو رنگ رنگ کے پھولوں، طرح طرح کے نمونوں، رونق اور خوبصورتی کا سنگم تھا۔''

وہ مزید کہتے ہیں:

''اب میں نے اقبال کو براہ راست ان کے کلام کے ذریعے پہچانا لیکن یہ علم صرف ایسا تھا جیسا کسی بھی ایک ایسے شخص کا ہوسکتا ہے جس نے بہت تھوڑا سا پڑھا ہو۔ میں ان کی مخصوص عبارتوں سے بے خبر، ان کے رموز سے نا آشنا، ان کے فلسفہ اور افکار سے کافی حد تک بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت اور مقصد سے بھی کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتا تھا''۔

''پیام مشرق'' کا یہ نسخہ جو محمد عاکف کے دوست نے مجھے دیا تھا اب تک میرے پاس ہے۔اس پر ان تمام مقامات پر نشانات لگے ہوئے ہیں جن کو ہم نے پسند کیا تھا یا بقول فرزوق ''مقامات سجدہ'' پر۔ یہ نسخہ میرے پاس پیا م مشرق کے ذریعے اقبال سے پہلی ملاقات کی یادگار کے ساتھ ساتھ شاعر اسلام محمد عاکف کی بھی یادگار ہے۔''(۴۳)

عاکف سب سے پہلے جنگ آزادی کے ایام میں انقرہ میں کلام اقبال سے واقف ہوئے۔ یہ تعارف اقبال کے کسی کتابچے سے ہوا جو کسی نے سبیل الرشاد کے دفتر میں پہنچایا۔ عاکف نے اس کتابچے سے یہ رائے قائم کی کہ ان کے اور اقبال کے کلام میں مشابہت پائی جاتی ہے۔(۴۴)

عاکف نے اقبال کا تفصیلی مطالعہ قیام مصر کے زمانے میں کیا جن میں پیام مشرق بھی شامل تھی۔ عاکف نے اپنی کتاب ''صفحات'' کے حصے ''صنعت گر'' میں ایک نظم کے درمیان اقبال کے ایک شعر کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے وہ شعر یہ ہے:

دل یاراں زانو ہائے پریشانم سوخت
من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرو دن نتواں(۴۵)

(ترکی ترجمے کا مفہوم ''میرے نغموں پر ترنم کا گماں نہ کیا جائے، یہ
میرے دل کی آواز ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں ہیجان برپا کر
دیا ہے)(۴۶)

عاکف نے اس کتاب کے ذریعے ترک ادیبوں اور شاعروں کو علامہ اقبال سے متعارف کرایا۔ مزید براں وہ اقبال کو ''عصر حاضر کے رومیؒ'' کہتے تھے اور جس طرح اقبال کو جانتے اور سمجھتے تھے ان کو خواہش تھی کہ ان کے اعزاء واقرباء بھی اقبال سے اسی طرح آشنا ہوں۔ صحبتوں میں، جلسوں میں، اپنے مکاتیب میں، المختصر جہاں جہاں موقع ملتا وہ علامہ اقبال کی کوئی نہ کوئی نظم یا شعر پڑھ کر اس پر گفتگو کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ عاکف اپنے قریبی دوست ماہراز (Mahir iz) کو، جو خود بھی ایک بڑے سکالر تھے، پیشکش کرتے ہیں کہ پیام مشرق ایک اچھی کتاب ہے اور اگر چاہو تو ہم ہفتہ میں ایک روز مل کر اس کتاب کا مطالعہ کیا کریں۔

عاکف نے اقبال کو اپنی کلیات بھی ارسال کی تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمت اوندر (Mehmet Onder) جو ترکیہ پاکستان ثقافتی انجمن کے صدر بھی ہیں علامہ اقبال کو عاکف کی طرف سے بھیجی جانے والی ''صفحات'' کے متعلق اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

''استنبول میں قیام کے دوران دو تین ہندوستانیوں سے ''سبیل''
کے دفتر (استنبول) میں ملاقات ہوئی تھی اور میں نے انھیں
''صفحات'' کا سیٹ دیا تھا کہ وہ اسے جا کر علامہ اقبال کو دے
دیں۔ مجھے امید ہے کتابیں اقبال کو مل گئی ہوں گی۔''(۴۷)

عاکف اور اقبال میں خط کتابت کا سلسلہ عاکف کے قیامِ مصر کے دوران ۱۹۳۰ء میں شروع ہوا۔ عاکف کے داماد عمر رضا دوغرل نے قونیہ میں منعقد ہونے والی ''مولانا اور اقبال'' کانفرنس میں لیکچر دیا اور اقبال کا عاکف کے نام مندرجہ ذیل خط پڑھ کر سنایا۔ جس میں وہ ترکوں سے اپنی محبت اور مولانا رومیؒ کے مزار کی زیارت کے لیے ترکی آنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ خط فارسی میں لکھا ہوا تھا جبکہ ڈاکٹر اوندر نے اقبال کے بارے میں لکھے اپنے مضمون میں اس کا ترکی ترجمہ درج کیا ہے جس کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

''ترکی قوم اور جدید ترکی سے مجھے بڑی محبت ہے۔ ایک دن ترکی جا
کر خاص طور پر قونیہ میں مولانا رومی کے مقام اقدس کی زیارت کرنا
چاہتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ وہ مبارک سرزمین مجھے مولانا کے ناچیز
مرید کی حیثیت سے قبول کر لے۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں جیسے
ایک گلستان دیکھ رہا ہوں، جس کے بیچ میں ایک شعلۂ فشاں آگ

جل رہی ہے اور میں پروانوں کی طرح اس آگ کی طرف دوڑ رہا ہوں۔ وہ آگ مولانا رومیؒ کے عشق اور ان کی محبت کی آگ ہے۔''(۴۸)

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں معاصر عظیم شاعر و مفکر ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ محمد عاکف کی اقبال سے عقیدت کا سلسلہ دور تک پہنچتا ہے اور چراغ سے چراغ روشن ہوتے جاتے ہیں۔ انھیں اقبال کو ترکی کے علاوہ عرب دنیا میں متعارف کرانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنے قیام مصر کے دوران ہی مشہور مصری ادیب ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے کو کلام اقبال کی اہمیت کا احساس دلایا جس کے نتیجے میں عزام بے نے اقبال کے کلام کو عربی میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا۔ محمد عاکف ترکی میں اقبال کے تعارف کا ذریعہ بنے اور ان کی ہم عصر اور بعد کی نسلوں نے اقبال پر نہایت سنجیدگی سے کام کیا۔ اقبال شناسی کی اس روایت میں پروفیسر ڈاکٹر علی نہاد تارلان کا نام سرفہرست ہے۔ پروفیسر تارلان کی اقبال سے واقفیت محمد عاکف کے عزیز دوست اور تارلان کے اُستاد فرید کام (Farid Kam) کے ذریعہ ہوئی تھی۔ انھوں نے ''جاوید نامہ'' کے سوا علامہ اقبال کے تمام فارسی کلام کا اور اُردو کلام ضرب کلیم کا ڈاکٹر عبدالحمید رفانی کے فارسی ترجمے کو مدنظر رکھ کر ترکی میں ترجمہ کیا۔

iii. علامہ اقبال اور سعید حلیم پاشا

سعید حلیم پاشا ۱۸۶۵ء میں استنبول میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شہزادہ ابراہیم حلیم پاشا، محمد علی پاشا (خدیو مصر) کے ولی عہد تھے۔ مگر اپنی روشن فکر اور انقلابی سرگرمیوں کے نتیجے میں جلاوطن کر دیئے گئے اور ان کی بجائے توفیق پاشا خدیو مصر بنے۔(۴۹) سعید حلیم پاشا نے ابتدائی تعلیم قسطنطنیہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ قاہرہ اور یورپ گئے۔ آپ نے اسلامی اور مغربی علوم و فنون میں کمال درجے کی مہارت حاصل کی۔ قدرت نے آپ کو بلند دماغ سے نوازا تھا۔ ترکی اور عربی آپ کی مادری زبانیں تھیں۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی اور فرانسیسی پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ تحریر اور تقریر میں آپ یدطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ لوگوں میں ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ جب توفیق پاشا (خدیو مصر) کے طرزِ عمل سے لوگ تنگ آ گئے تو لوگوں نے آپ کو خدیو مصر بنانا چاہا مگر انگریزوں نے لوگوں کی امید پر پانی پھیر دیا اور آپ کو قدم جمانے نہ دیے گئے۔ بہر حال آپ نے واپسی کا قصد کیا اور ۱۸۸۹ء میں واپس قسطنطنیہ لوٹ آئے۔

عثمانی سلطان عبدالحمید دوم نے سعید حلیم پاشا کو وزارت کی پیشکش کی چنانچہ آپ نے مختلف قلمدان ہائے وزارت سنبھالے۔ ۱۹۰۲ء میں انھیں پاشا کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ان کی استعداد اور خدمات کا مخالف بھی اعتراف کرتے تھے۔ اپنے اصلاحی اور سیاسی عزائم میں رکاوٹ کے پیش نظر ۱۹۰۵ء

میں انھوں نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ حزب اصلاحی کے رکن تھے۔ (جسے انجمن اتحاد و ترقی بھی کہتے ہیں) ان کا حزب ہمہ گیر ترقی اور انقلاب کا داعی تھا مگر اس انقلاب و ترقی کے نشے سے سرشار ہو کر دین و مذہب کو پس پشت ڈالنے کا حامی نہ تھا۔ سعید حلیم پاشا نے اس حزب کے نوجوانوں کی بطریقِ احسن تربیت کی تھی مگر بعض جذباتی ارکان سے اختلاف کر کے ۱۹۰۵ء میں مصر چلے گئے۔ (۵۰) ۱۹۰۸ء میں آپ کو پھر طلب کر کے واپس کیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں آپ کونسل آف سٹیٹ کے صدر منتخب کیے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں انجمن اتحاد ترقی کے صدر مقرر کیے گئے اور وزارت خارجہ کا عہدہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۲ء میں مارشل محمود شوکت پاشا کی شہادت کے بعد وہ ترکی کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ کی ابتداء ہوئی تو انھوں نے مجبور ہو کر انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ ۱۹۱۹ء میں جب انگریز استنبول پر قابض ہوئے تو انھوں نے پاشا اور ان کے رفقاء پر مقدمہ چلایا اور ان کو مالٹا میں نظر بند کر دیا۔ ایک سال بعد وہ روم (اطالیہ) میں رہائش پذیر ہو گئے۔ یہاں ۱۹۲۱ء کے آخری مہینوں میں فرانسیسی زبان میں ایک مقالہ اُن کے قلم سے نکلا جس کا عنوان ''مسلمان معاشرے کی اصلاح'' تھا۔ ۶ر دسمبر کو ایک بدطینت نوجوان نے انھیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ (۵۱)

سعید حلیم پاشا متعدد زبانوں کے ماہر تھے۔ ۱۹۱۷ء میں صحت کی خرابی کی بنا پر آپ نے وزارت اعظمیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور استنبول میں خانہ نشین ہو کر آپ نے ترکی زبان میں ایک کتاب ''اسلام لشمق'' (islamlasmak) تصنیف کی۔ اسلام اور عصر حاضر کے تقاضوں پر لکھی گئی اس کتاب میں یہ بات پورے وثوق سے ثابت کی گئی ہے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے اور عصری تقاضوں کا ساتھ صرف اسلام دے سکتا ہے۔ سعید حلیم پاشا کی یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی مذکورہ کتاب اس قابل ہے کہ انھیں اسلامی مفکرین کی صف اول میں جگہ دی جائے۔ (۵۲)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی عظیم المرتبت شخصیت کا ذکر اپنے کلام میں نہایت عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔ علامہ نے اپنی دو بلند پایہ تصانیف میں ''اسلامی مذہبی فکر کی تشکیل نو'' اور ''جاوید نامہ'' میں اس ترک رہبر کی خدمات و افکار کو سراہا ہے۔ (۵۳)

علامہ اقبال نے ''مذہبی فکر کی تشکیل نو'' کے چھٹے خطبے میں ترکیہ کی ''تحریک تجدید دین'' کا ذکر کیا ہے اور وہاں سعید حلیم پاشا کی کتاب ''اسلام لشمق'' کے باب دوم میں ''حریت و مساوات'' کے ایک اقتباس کو انگریزی میں منتقل کیا ہے۔ اقبال نے اس کتاب کے عربی یا فارسی ترجمہ کی رو سے بیان کیا ہے کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب ترکیہ میں دو زاویہ فکر کا دور دورہ تھا: ایک کی نمائندگی ''حزب وطنی'' کے ہاتھ تھی اور دوسرے نظریات کی نمائندہ و راہنما ''انجمن اتحاد و ترقی'' تھی (جسے 'حزب اصلاح مذہبی' بھی کہتے ہیں)۔ حزب وطنی کی دلچسپیوں کی انتہا اور سوچ کا محور ریاست تھی۔ اس کے اہل فکر کی نظر میں مذہب بذات خود کوئی علیحدہ (ریاست سے ممتاز) فریضہ نہیں رکھتا۔ ریاست ہی جوہری زندگی کا

عامل ہے جس سے تمام دوسرے عوامل کے کردار کا تعین ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ریاست و مذہب کے فرائض کے بارے میں پرانے نظریات کو مسترد کرتے تھے۔ انھوں نے شرعی نقطہ نظر کو تسلیم نہیں کیا کہ سیاست اور مذہب باہم متحد ہیں۔ ہوسکتا ہے اسلام کے نظام اجتماعی کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ روش درست نظر آتی ہو مگر علامہ کو اس سے سخت اختلاف تھا۔ انھیں حزب اصلاح مذہبی سے، جس کی قیادت حلیم پاشا کے ہاتھ تھی، اتفاق تھا کہ دین اسلام میں حقیقت و مجاز کا حسین امتزاج موجود ہے کہ صرف دین اسلام نے حریت و مساوات کی پائدار صداقتوں کو متحداً اور یکجا جلوہ گر کیا ہے اس لیے اسلام میں ''وطن'' کی محدودیت موجود نہیں۔'' (۵۴)

سعید حلیم پاشا کے بالخصوص قومی، تہذیبی اور معاشرتی خیالات سے اقبال بہت متاثر تھے۔ اقبال نے ترکیہ کے وطن پرستی کے لادینی نظریات پر ضرب لگاتے ہوئے سعید حلیم پاشا کے خیالات کی تائید و تعریف کی ہے۔ خصوصاً قومیت کے متعلق ان کے خیالات کہ اسلام کا کوئی وطن نہیں اور نہ کسی ترکی اسلام کا کوئی وجود ہے اور نہ عربی، ایرانی، ہندی اسلام کا۔ اقبال کے خیال میں وہ نہایت ہی صاحب بصیرت اہل قلم تھا اور اس کا طرزِ فکر سراسر اسلامی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ (۵۵)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کا ذکر ''جاوید نامہ'' میں نہایت ہی عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔ جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کا ذکر ''جاوید نامہ'' کے ''فلک عطارد'' میں موجود ہے۔ یہاں اس کی تعلیمات کا معنی خیز ذکر موجود ہے۔ ''جاوید نامہ'' کا یہ حصہ اقبالیات کے اہم ترین مباحث پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کی ابدی تعلیمات خصوصاً سیاسی نظریات جس قدر جامع و معانی طور پر ''فلک عطارد'' میں سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی زبانی مذکور ہیں اقبال کی کسی دوسری کتاب میں یکجا نظر نہیں آتیں۔ (۵۶)

''جاوید نامہ'' میں فلک عطارد پر پہنچتے ہی علامہ اقبال رومی سے کہتے ہیں:

من بہ رومی گفتم ایں صحرا خوش است — در کہستان شورشِ دریا خوش است
من نیازیم از حیات ایں جانشاں از — کجا می آید آواز اذاں
گفت رومی ایں مقام اولیا است — آشنا ایں خاکداں باخاک ماست
بوالبشر چوں رفت از فردوس بست — یک دو روزے اندریں عالم نشت
ایں فضا ہا سوزِ آہش دیدہ است — نالہ ہائے صبحگاہش دیدہ است
زائراں ایں مقامِ ارجمند — پاک مرداں از مقاماتِ بلند
پا ک مرداں چوں فضیل و بو سعید — عارفاں مثلِ جنید و بایزید
خیز تا مارا نماز آید بدست
یک دو دم سوز و گداز آید بدست (۵۷)

یہاں سے آگے نکل کر علامہ دو آدمیوں کو دیکھتے ہیں ایک جمال الدین افغانی اور دوسرے سعید حلیم پاشا۔ چنانچہ رومی علامہ سے ان ہی دو آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں

رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام مقتدی تا تار و افغانی امام
پیر رومی ہر زماں اندر حضور طلعش برتافت از ذوق و سرور
گفت مشرق زریں دو کس بہتر نزاد ناخن شان عقد ہائے ماکشاد
سید السادات مولانا جمال زندۂ از گفتار او سنگ سفال
ترک سالار آں حلیم و درد مند فکر او مثل مقام او بلند
با چنیں مرداں دو رکعت طاعت است
ورنہ آں کارے کہ مزدش جنت است (۵۸)

یہاں مسئلہ وطنیت پر بحث ہوتی ہے اور مسئلہ اشتراکیت بھی زیر بحث آتا ہے۔ جمال الدین اور علامہ کے درمیان یہ گفتگو سعید حلیم پاشا سنتے ہیں۔ سعید حلیم پاشا ''شرق وغرب'' عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیمات سے فیض یاب ہونا چاہیے اور مغرب کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر عشق رسول ﷺ کا جذبہ دلوں میں پیدا کرنا چاہیے اور یہی ان کے لیے صراطِ مستقیم ہے''۔ اگرچہ مغربی علوم سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے مگر قرآنی تعلیمات ضروری ہیں اور امور سلطنت اور باقی ساری زندگی انہی اصولوں کے زیر سایہ بسر کرنی چاہیے تاکہ مسلمانوں کی زندگی ابدی اور روحانی ترقی کے مدارج طے کر سکے:

غریبان را زیر کی ساز حیات شرقیاں را عشق راز کائنات
زیر کی از عشق گر در حق شناس کار عشق از زیر کی محکم اساس
عشق چوں بازیر کی ہمبر شود نقشبند عالم دیگر شود
زندگی را سوز و ساز از نار تست عالم نو آفریدن کار تست
چوں مسلمانان اگر داری جگر در ضمیر خویش و در قرآن نگر
صد جہاں تازہ در آیات اوست عصرہا پیچیدہ در انات اوست
بندۂ مومن ز آیات خداست ہر جہاں اندر براو چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآن جہانے دیگرش(۵۹)

علامہ اقبال، سعید حلیم پاشا کی گفتگو سنتے ہیں اور جمال الدین افغانی سے کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کے حقائق سے لوگ بے خبر ہیں۔ جمال الدین افغانی محکمات عالم قرآنی کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ مختلف عنوانات مثلاً خلافت آدم، حکومت الٰہی ارض ملک خداست اور حکمت خیر کثیر

است کے موضوعات کو افغانی فکر انگیز اور مجتہدانہ انداز سے پیش کرتے ہیں علامہ کہتے ہیں ان مسائل پر غور کرنے کے بعد بھی سمجھ نہیں آتا ہے قوم کیوں زوال پذیر ہے۔ یہاں تک کہ ترک اور کرد وغیرہ با غیرت اقوام بھی بے حس وحرکت ہیں۔اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سعید حلیم پاشا کہتے ہیں:

دین حق از کافی رسوا تر است زانکہ ملا مومن کافر گر است
شبنم مادر نگاہ مایم است از نگاہ او یم ما شبنم است

.....

زاں سوئے گردون دلش بیگانۂ نزد او ام الکتاب افسانۂ
کم نگاہ و کور ذوق دہرزہ گرد ملت از قال و اقوالش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب کور مادر زاد نور آفتاب
دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ جہاد(۶۰)

مرد حق جاں جہاں چار سوے آن بخلوت رفتہ را از من بگوے
اے ز افکار تو مومن را حیات از نفسہائے تو ملت را ثبات
حفظ قرآن عظیم آئین تست حرف حق را فاش گفتن دین تست
فطرت تو ستیز از مصطفیٰ است
باز گو آخر مقام کجاست
مرد حق از کس نگیر رنگ و بو مرد حق از حق پزیرد رنگ و بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر ہر زماں او را چوحق شانے گرد
رازہا با مرد مومن باز گوے شرح رمز کلّ یومٍ باز گوے
جز حرم منزل ندارد کارواں غیر حق در دل ندارد کارواں
من نمی گویم کہ راہش دیگر است
کارواں دیگر نگاہش دیگر است(۶۱)

علامہ اقبال نے سعید حلیم پاشا کی زبانی ان اصولوں کی وضاحت کی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب وہ تعلیم یافتہ طبقہ ہے جو لوگوں کی صحیح فکری تربیت نہیں کرسکتا ہے کیونکہ وہ مغرب کی تعلیم کو ہر لحاظ سے ہی ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات اور قرآنی تعلیمات کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔دوسرے وہ ''ملا'' جو دین و اسلام کو صحیح ڈھنگ سے پیش نہیں کرتے ہیں۔علامہ کے نزدیک مسلمانوں کا مرکز مکہ معظّمہ ہے لہٰذا ایک ہی مرکز کی طرف رجوع کرنے سے ہی ملت کا اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔

iv. علامہ اقبال اور ضیا گوک آلپ

جدید ترکی کے عظیم مفکر، شاعر اور صاحب طرز انشاء پرداز ہیں۔ ضیاء گوک الپ ''پین تورانیت'' مکتبہ فکر کے نمایاں ترین ترجمان ہیں۔ اصل نام محمد ضیاء قلمی نام گوک الپ ہے۔ قدیم ترکی زبان میں اس کے معنی ''آسمانی ہیرو'' کے ہیں۔ ۳۲ مارچ ۱۸۷۶ء کو مشرقی انا طولیہ کے شہر دیار بکر میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ ضیاء گوک الپ نے ملٹری سکول کے بعد دیارِ بکر کے سیکنڈری سکول میں داخلہ لیا۔ ادب اور ریاضی سے خاص دلچسپی تھی۔ علم تاریخ سے بھی اچھی واقفیت رکھتے تھے۔

سکول کے زمانہ میں ہی فرانسیسی اور علومِ شرقیہ میں دلچسپی لینا شروع کی۔ اپنے چچا کی مدد سے غزالی، رومی، ابن عربی، ابن رشد، ابنِ سینا اور فارابی کے افکار کا مطالعہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انقلابِ فرانس کے نظریات سے ترکی کی جدید نسل بڑی تیزی کے ساتھ متاثر ہو رہی تھی۔ ضیاء گوک الپ نے بھی آزاد خیال اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور حریت پسند مفکرین کی تحریروں کا مطالعہ کیا۔ اس طرح راسخ العقیدہ مذہب اور جدید علوم کے باہمی تصادم نے انھیں ذہنی طور پر الجھا دیا۔

۱۸۹۶ء میں استنبول گئے اور وٹرنری کالج میں داخلہ لیا مگر تعلیم سے زیادہ سیاست میں دلچسپی لینے لگے اور ''انجمن اتحاد و ترقی'' کا رکن بن گئے۔ بلآخر ان کی بعض حریت پسندانہ تحریروں کی بدولت انھیں کالج سے نکال دیا گیا۔ یہ سلطان عبدالحمید ثانی کا استبدادی دور تھا جب ہر قسم کی انقلابی تحریروں پر سخت پابندی عائد تھی۔ ۱۸۹۷ء میں ضیاء گوک الپ کو گرفتار کر لیا گیا اور ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ رہائی ملی تو دیار بکر میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس نظر بندی کو غنیمت جانتے ہوئے انھوں نے فرانسیسی فلسفہ، نفسیات اور عمرانیات کا گہرا مطالعہ کیا۔ جلد ہی انھیں اس علاقہ کے حریت پسندوں میں اہم مقام حاصل ہو گیا۔

۱۹۰۹ء کے بعد ''انجمن اتحاد و ترقی'' کی مرکزی مجلس کے رکن منتخب ہوئے اور سیلو نیکا میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں وہ اہل قلم کے اس گروہ میں شامل ہو گئے جو ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد قوم کی نئے نصب العین کی طرف راہنمائی میں مصروف تھا۔ ضیاء گوک الپ اس رجحان کے عظیم علم بردار بن گئے۔ سیلو نیکا میں قیام کے دوران انھیں مغربی فضلاء اور روشن خیال ترکوں سے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک کا عرصہ انھوں نے استنبول میں گزارا۔ یہاں مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والے دانشوروں سے تبادلہ خیال کے بعد ان کی وطن پرستی میں ''پین تورانیت'' کا رنگ بڑھ گیا۔ انھوں نے ''پیام'' کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا اور رسالہ ''اسلامک ریویو'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ۱۹۱۵ء میں محض ذاتی قابلیت کی بناء پر بغیر علمی سند کے استنبول یونیورسٹی میں علوم عمرانیات کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ جس سے نوجوان نسل پر ان کے اثرات وسیع اور مستحکم ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں دیگر نوجوان ترکوں کی طرح انھیں بھی ترکی چھوڑنا پڑا۔ جنگِ عظیم اول کے بعد عرب علاقوں کے سلطنتِ

عثمانیہ سے نکل جانے کے بعد "پین تورانیت" کی تحریک مبنی برحقیقت نظر آنے لگی اور نہ صرف اس کی جڑیں مضبوط ہوئیں بلکہ اس کے دائرہ اثر میں وسعت پیدا ہوئی۔ جمہوریہ کے قیام کے بعد ۱۹۲۲ء میں انھیں ادارہ تالیف وترجمہ کا صدر بنادیا گیا۔ ۱۹۲۲ء ہی میں دیاربکر سے پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ اس کمیٹی کے ممبر تھے جس نے ۱۹۲۴ء کا دستور تیار کیا۔

ضیاء گوک الپ فرانس اور جرمنی کے دانشواروں کے جدید افکار سے متاثر تھے۔ ان مغربی تعلیمات کو اتاترک کے عہد حکومت میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ جمہوریہ ترکی کے قیام کے بعد اتاترک نے جدید اصلاحات نافذ کیں اگرچہ وہ سب ضیاء گوک الپ کے اندازِ فکر کے مطابق نہیں ہیں تاہم مجموعی طور پر اتاترک کے لائے ہوئے انقلاب کی بنیاد ضیاء گوک الپ کے افکار پر ہی مبنی تھیں۔ ماہر عمرانیات کے حوالے سے ان کا مقام بلند ہے۔ سیاسی رہنما کی حیثیت سے جدید ترکی کی جمہوریہ کی تعمیر میں انھوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اقبال کا ضیا گوک سے تعارف پروفیسر اکمل ایوبی کے بقول ضیاء کی نظموں کے جرمن تراجم سے ہوا جو جرمن عالم و پروفیسر فیشر نے کئے تھے۔(۶۲)

علامہ نے اپنے انگریزی خطبات (ری کنسٹرکشن) میں سعید حلیم پاشا اور ضیا گوک آلپ کا ترکوں کی اجتہاد کے حوالے سے بار بار ذکر کیا ہے۔ کہ اس جدید نصب العین کا ایک بڑا واضح تصور ترکی کے محبِّ وطن شاعر ضیاء کے نغموں میں صاف جھلکتا ہے۔ ضیاء کے اشعار نے ترکوں کے غور وفکر کی تشکیل میں بڑا گہرا حصہ لیا ہے۔(۶۳) جدید ترک، عالمگیر خلافت کے تصور کو عملاً ممکن وکامگار نہیں چاہتے تھے۔ گویا وہ ضیا گوگ آلپ کے ہمنوا تھے کہ عالم اسلامی کیلیجہتی کے لیے ضروری ہے کہ مسلم اقوام جہاں جہاں ہیں، وہاں وہاں آزاد ہوں اور قومیت حاصل کریں۔ مختلف قومی اسلامی وحدتوں میں جب روحانی قرب نمودار ہوگا تو اتحاد عمل میں آجائے گا۔ اتحاد محض ایک نمائشی خلیفہ کے تقرر سے عمل میں نہیں آسکتا۔(۶۴)

اقبال اپنے چھٹے خطبے ''اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول'' اسلامی اجتہاد پر بات کرتے ہوئے ترکیہ میں ہونے والی اجتہادی تبدیلیوں کو زیر بحث لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک ترکوں کا یہ تصور کہ روح اسلام کی رو سے خلافت یا امامت لوگوں کی ایک جماعت یا منتخب اسمبلی کو دی جاسکتی ہے' درست ہے۔ اقبال آفاقی امامت یا آفاقی خلافت سے ''بین الاقوامی آدرش'' (انٹرنیشنل آئیڈیل) پیدا کرنے کے خواہش مند تھے اس سلسلے میں انھیں اسی طرح کا ایک نیا نصب العین ترک قومی شاعر ضیا کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ لہٰذا وہ ضیاء کی نظموں میں سے ایک کا مطلب اپنے اسی خطبے میں درج کرتے ہیں:

> ''اسلام کی بااثر اور حقیقی وحدت تخلیق کرنے کے لیے' پہلے تو مسلم
> ممالک کو مکمل طور پر خود منحصر بننا ہوگا اور پھر اپنی کلیت میں وہ کسی

ایک خلیفہ کے زیرِ سایہ آ جائیں گی۔ کیا موجودہ لمحے میں ایسی شے ممکن ہے؟ اگر آج یہ ممکن نہیں، تو پھر انتظار کرنا چاہیے، اس دوران میں خلیفہ کو اپنی گھر کی ترتیب کو درست کرنا چاہیے اور کسی ایسی جدید ریاست کی بنیاد رکھنی چاہیے، جو کامیابی سے چلے۔ بین الاقوامی دنیا میں کمزور کے لیے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی، صرف قوت ہی قابلِ احترام ہے۔'' (۶۵)

مذکورہ بالا اشعار کے مفہوم میں اقبال جدید اسلامی دنیا کا رجحان دیکھ رہے تھے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ ہر مسلم کو اپنی خودی میں ڈوب جانا چاہیے۔ اقبال کے نزدیک اسلام نہ تو قوم پرستی ہے اور نہ شہنشاہت بلکہ انجمن اقوام ہے۔ آگے چل کر اسی حوالے سے علامہ اقبال ضیا گوک آلپ کی ایک اور نظم بعنوان ''مذہب اور سائنس کا حصہ'' سے ایک شعری اقتباس کا مفہوم اپنے اسی خطبے میں بیان کرتے ہیں جس سے اس عمومی مذہبی رویے پر روشنی پڑتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ آج اسلامی دنیا میں صورت پذیر ہو رہا ہے:

''انسانیت کے اولین روحانی راہنما کون تھے؟ بلاشبہ پیغمبر اور مقدس ہستیاں، ہر دور میں مذہب نے فلسفے کی رہنمائی کی ہے۔ صرف اسی سے اخلاق اور فن نے روشنی پائی، لیکن پھر مذہب کمزور پڑ جاتا ہے اور ابتدائی ولولہ سرد ہو جاتا ہے، مقدس ہستیاں غائب ہو جاتی ہیں اور روحانی رہنمائی اور وہ بھی برائے نام فقہائے قانون کی وراثت بن جاتی ہے، فقہائے قانون کا رہنما استاد روایت ہے، وہ زبردستی مذہب کو اس پٹڑی پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر فلسفہ کہتا ہے، میرا رہنما استاد استدلال ہے، تم سیدھی طرف جاؤ میں الٹے ہاتھ جاؤں گا۔

مذہب اور فلسفہ دونوں انسان کی روح کے دعویدار ہیں اور اسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اور جب یہ جدوجہد چل رہی ہو تو، تجربے کی کوکھ مثبت سائنس کو جنم دیتے ہیں۔

روایت تاریخ ہے، استدلال تاریخ کا طریقِ کار ہے۔ دونوں توجیہ کرتے ہیں اور آرزومند ہوتے ہیں، اس شے تک پہنچنے کے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مگر وہ شے کیا ہے؟

کیا وہ روحانیت سے لبریز دل ہے؟
اگر ایسا ہے، تو میری بات پلے باندھ لو، مذہب مثبت سائنس ہے
جس کا مقصد انسان کے دل کو روحانیت سے آشنا کرنا ہے۔'' (۶۶)

اقبال کے نزدیک مذکورہ بالا مصرعوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے خوبصورتی سے ''کومٹے'' کے اس تصور کو انسان کی خرد کی نشوونما کو تین مدارج میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے یعنی دینیاتی، مابعدالطبعیاتی اور سائنسی سے لے کر مذہبی اسلامی نقطۂ نظر تک۔۔۔۔۔ مذکورہ مصرعوں میں مضمر مذہبی تصور شاعر کے اس رویے کی اساس ہے، جو ترکی کے تعلیمی نظام میں عربی کے نفوذ کی وجہ سے قائم ہوا ہے۔ علامہ نے ضیاء کے ان خیالات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں اس نے اذان و نماز کے ترکی زبان میں تبدیل کیے جانے کی افادیت پر فخر کا اظہار کیا تھا۔ علامہ نے اس اجتہاد کو نا قابل اعتراض قرار دیا۔ ہاں انھوں نے اس باب میں ابن تومرت کی مثال دے کر واضح کر دیا کہ اس طرح کی کارروائی عہد ماضی میں بھی ظہور پذیر ہوتی تھی۔ ابن تومرت نے بھی کبھی اپنی مملکت میں قرآن و اذان کو بربری زبان میں رواج دینے کو کوشش کی تھی تا کہ ان پڑھ بربری سوچ سمجھ کر عبادت کر سکیں مگر ظاہر ہے کہ ابن تومرت کے ذکر سے ضیاء کی تائید مراد نہیں۔ (۶۷) اسی حوالے سے اقبال کے یہاں ضیاء کی ایک اور نظم کا مفہوم دیتے ہیں:

''وہ سرزمین جہاں ترکی میں اذان دی جاتی ہے، جہاں نماز ادا
کرنے والے، اپنے مذہب کے معانی کو سمجھتے ہیں، وہ سرزمین
جہاں قرآن ترکی میں پڑھا جاتا ہے، جہاں ہر آدمی بڑا یا چھوٹا اللہ
کے احکام کو پوری طرح سمجھتا ہے۔ اے ترکی کے بیٹوں! وہ زمین
تمہارا پدری وطن ہے۔'' (۶۸)

پروفیسر محمد منور اپنے مضمون ''اجتہاد'' مشمولہ ''دائرہ معارف اقبال''، جلد اول میں ضیاء گوک آلپ کے نظریات پر علامہ اقبال کی تنقید کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ نے جہاں ترکوں کی اجتہادی کوششوں کو داد دی ہے وہیں کوئی نہ کوئی انتباہی آواز بھی بلند کر دی ہے۔ چنانچہ وہ ضیاء کے اس مبحث پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق وراثت میں برابری کی بنیاد پر منصفانہ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ علامہ نے ضیاء کے موقف کا مدلل رد پیش کیا ہے۔ (۶۹)

حوالہ جات

۱۔ رضازادہ شفق، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ایران، خانہ فرہنگ ایران، لاہور، س ن صفحہ: ۳۵۵
۲۔ ایضاً، ص: ۳۵۴
۳۔ ایضاً، ص: ۳۵۴
۴۔ ایضاً، ص:: ۳۵۸۔۳۵۷

۵۔ رضازادہ شفق، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ایران، ص:۳۶۲

۶۔ ایضاً

۷۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعۂ رومی کی تاریخ میں اقبال کا مقام، مشمولہ: اوصاف اقبال، مرتبہ: بہارالہ آبادی، ص:۲۴۲

۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔فارسی، ص:۹

۹۔ رضازادہ شفق، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ایران، ص:۳۶۳

۱۰۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال کے محبوب صوفیاء، بحوالہ: سوانح مولانا روم از شبلی نعمانی، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء، ص:۴۱۔۳۸

۱۱۔ وحیدالدین، سید، فقیر، روزگار فقیر، جلداول، ص:۳۳

۱۲۔ عطاءاللہ، شیخ، اقبالنامہ، جلداول، لاہور: شیخ محمد اشرف کتب، کشمیری بازار، ۱۹۹۱ء، ص:۲۸۔۲۷

۱۳۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۴۴۱۔۴۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۳۲۰

15. Mehmet Onder: Turkce ikbaliyat, iqbal academy lahore, 1993, P-105

۱۶۔ نذیر نیازی، سید، مکتوباتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء، ص:۲۵۶

۱۷۔ ایضاً، صفحہ:۹۸

۱۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۴۳۷۔۴۲۷

۱۹۔ ایضاً،

۲۰۔ ایضاً،

۲۱۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۵۸۳

۲۲۔ بشیر احمد، میاں، مولانا روم اور اقبال، مشمولۂ: اوصاف اقبال، مرتبہ: بہارالہ آبادی، ص:۵۰

۲۳۔ یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ اول، ص:۱۱

۲۴۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔فارسی، ص:۵۹۹

۲۵۔ ایضاً، ص:۲۰۷

۲۶۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعۂ رومی کی تاریخ میں اقبال کا مقام، ص:۲۴۲

۲۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔فارسی، ص:۲۷۶

۲۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۳۳۱

۲۹۔ ایضاً، ص:۱۲۴

۳۰۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۳۰۹

۳۱۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۳۴۸

۳۲۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔فارسی، ص:۸

۳۳۔ ایضاً، صفحہ:۸۵۵

۳۴۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔فارسی، ص:۸

۳۵۔ ایضاً، ص:۹۳۸

۳۶۔ ایضاً، ص:۹۵۷

۳۷۔ ایضاً، ص:۹۶۰۔۹۵۹

۳۸۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔اردو، ص:۴۸۵

۳۹۔ علی نہاد تارلان، محمد عاکف، اردو ترجمہ از ڈاکٹر محمد صابر، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص:۱۱۰

۴۰۔ ثروت صولت، ترکی کا شاعرِ اسلام محمد عاکف ارصوئی، لاہور: مطبوعہ المعارف، جنوری/فروری ۱۹۷۴ء

۴۱۔ ثروت صولت، عاکف اور اقبال، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، اگست ۱۹۷۰ء

۴۲۔ ثروت صولت، ترکی اور ترک، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص:۳۱۱

۴۳۔ عبدالوہاب عزام، محمد اقبال سیرتہ وفلسفہ وشعرہ (عربی) مطبوعات پاکستان، طبع ۱۹۵۴ء، ص:۴ تا ۵

44. Tansel, Fevzia Abdullah:Mehmet Akif Ersoy,istanbul 1973, P-123

۴۵۔ محمد اقبال، کلیات اقبال۔فارسی، ص:۳۳۷

۴۶۔ محمد عاکف ارصوئی، صفحات، انقرہ ۱۹۷۸ء، ص:۵۱۵

اقبال کے شعر کا ترکی ترجمہ یہ ہے:

Heyecana Verdi gonulleri

Heyecanli sesleri gonlumun,

Ben o nagmeden muteheyyicin;

yok ihtimali Ki terennumun

(ترکی ترجمے کا مفہوم ''میرے نغموں پر ترنم کا گماں نہ کیا جائے، یہ میرے دل کی آواز ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں ہیجان برپا کر دیا ہے'')

47. Mehmetonder: Mehmet Akif Veikbal, Turkce Ikbdiyati 1993, Iqbal Academy Lahore Sayfa 104

48. Ibid, P-107

۴۹۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، اقبال اور سعید حلیم پاشا، اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۱ء، لاہور: ایوانِ اقبال، ص:۴۹

۵۰۔ ایضاً،ص:۵۱

۵۱۔ ایضاً،شمارہ۲،ص:۵۱

۵۲۔ ایضاً،ص:۵۱

۵۳۔ ایضاً،ص:۵۱

۵۴۔ محمد اقبال،تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ،مترجم: نذیر نیازی،ص:۲۵۶

۵۵۔ معین الدین عقیل، بعض شخصیات وتحریکات سے اقبال کی دلچسپی،مشمولہ:اقبال،۸۶،مرتبہ: ڈاکٹر وحید عشرت،ص:۱۸۱

۵۶۔ محمد ریاض،ڈاکٹر،اقبال اور سعید حلیم پاشا،اقبال ریویو،جنوری ۱۹۷۱ء،ص:۵۳

۵۷۔ کلیات اقبال، فارسی حصہ، جاوید نامہ (فلک عطارد)،ص:۵۴

۵۸۔ ایضاً،ص:۵۴

۵۹۔ محمد اقبال،کلیات اقبال۔فارسی،ص:۶۰

۶۰۔ ایضاً،ص:۶۹۔۶۸

۶۱۔ ایضاً،ص:۷۰

۶۲۔ اکمل ایوبی،مرتبہ:ظہیر احمد صدیقی،ارمغانِ فاروقی،دہلی،۱۹۸۷ء،ص:۲۵۹

۶۳۔ نذیر نیازی،سید، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ،ص:۲۴۵

۶۴۔ دائرہ معارف اقبال،جلد اول،شعبہ اقبالیات،لاہور: پنجاب یونیورسٹی،جنوری ۲۰۰۶ء،ص:۱۸۰

۶۵۔ محمد اقبال،اسلامی فکر کی نئی تشکیل،مترجم:شہزاد احمد،لاہور: مکتبہ خلیل،۲۰۰۵ء،ص:۱۸۹

۶۶۔ ایضاً،ص:۱۹۰

۶۷۔ ایضاً،ص:۱۹۵

۶۸۔ محمد اقبال،اسلامی فکر کی نئی تشکیل،مترجم:شہزاد احمد،ص:۱۹۱

۶۹۔ دائرہ معارف اقبال،جلد اول،شعبہ اقبالیات،ص:۱۸۲

☆.....☆.....☆